اجتہاد و تقلید
چند اہم مباحث

مبین الرحمن

پیش لفظ

"اجتہاد و تقلید: چند اہم مباحث" کے نام سے یہ رسالہ کوئی باقاعدہ تالیف نہیں بلکہ یہ مختلف اوقات میں متعدد سائلین کو دیے گئے جوابات کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ کہیں اِجمال تو کہیں تفصیل نظر آتی ہے، ارادہ تو یہی تھا کہ اس سے متعلق مزید تفصیلات لکھ کر اس کو باقاعدہ ایک تالیف کی شکل دی جائے لیکن فرصت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا، اس لیے اب انھی جوابات کو ترتیب دے کر یہ مجموعہ شائع کیا جارہا ہے تاکہ ہمارے مسلمان بھائی ان عام فہم اہم مباحث سے استفادہ کر کے دلی اطمینان حاصل کر سکیں۔

یہ سب کچھ اللہ ہی توفیق سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرما کر بندہ کے لیے، بندہ کے والدین، اہل و عیال، خاندان، اساتذہ کرام، حضرات اکابر، احباب اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

قرآن وسنت دین کے مرکزی دلائل اور اصول ہیں:

امتِ مسلمہ کی ہدایت کے لیے قرآن وسنت دو بنیادی اور مرکزی دلائل اور ستون ہیں۔ عقائد، مسائل اور اخلاقیات سمیت تمام تر دینی علوم اور تعلیمات کا سرچشمہ یہی دو اصول ہیں۔ حضرات صحابہ کرام بھی اصولی طور پر انھی دو ہدایت کے سرچشموں سے فیضیاب ہو کر انعاماتِ الٰہیہ کے مستحق بنے، اور یہی امت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین کرام اور ائمہ مجتہدین کے علوم اور اجتہادات میں انھی دو دلائل کو اوّلین حیثیت حاصل ہے۔

شرعی دلائل چار ہیں:

جہاں تک شرعی دلائل کا معاملہ ہے تو حضرات صحابہ کرام، حضرات ائمہ اربعہ سمیت اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام جلیل القدر اہل علم کے نزدیک شرعی دلائل چار ہیں جو کہ بالترتیب یہ ہیں: قرآن وسنت اور اجماع وقیاس۔ ان چار دلائل میں بنیادی اور مرکزی دلائل قرآن وسنت ہی ہیں، البتہ جو دینی بات قرآن وسنت میں انھیں نہ ملے یا نصوص میں ظاہری طور پر تعارض اور ٹکراؤ سامنے آئے تو پھر اس کا حل امت کے اجماع میں تلاش کیا جاتا ہے، لیکن اگر اس بات سے متعلق اجماع بھی موجود نہ ہو تو پھر امت کے مجتہدین اپنے خداداد علوم واستعداد اور مجتہدانہ بصیرت کی بنا پر قرآن وسنت میں اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں، اس سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے کہ حضرات ائمہ کرام قرآن وسنت کے مقابلے میں اجتہاد سے کام لیتے ہیں یا قیاس کو لے کر قرآن وسنت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس تحریر میں اجماع وقیاس سے متعلق دلائل دینا مقصود نہیں، البتہ سرِدست ایک غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ دین میں قرآن وسنت کے علاوہ کسی امام مجتہد کی بات ماننے کا ذکر ہی نہیں بلکہ ان کی بات ماننا قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہے۔ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ ان حضرات نے۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ امام مجتہد کو قرآن وسنت بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدِّمقابل لا کھڑا کیا اور یہ تأثُّر دینے کی کوشش کی گئی کہ گویا امام مجتہد کی بات ماننے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

ترک کیا جا رہا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون! اور یہ وہ غلط فہمی ہے جس سے نجانے کتنے ہی سادہ لوح مسلمان شرعی اور ضروری تقلید کا انکار کر بیٹھے!! زیرِ نظر تحریر سے اس غلط فہمی کا بخوبی ازالہ ہو سکے گا ان شاء اللہ۔

تقلید کی تعریف:

دین میں کسی معتبر مجتہد امام کی بات پر اعتماد کر کے اس کی پیروی کرنا اور ان سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا؛ تقلید کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اعتماد کے مطابق وہ مجتہد قرآن وسنت اور شرعی دلائل ہی کی روشنی میں مسائل کا حل بتلاتا ہے۔

اس تعریف سے تو بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ تقلید کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ قرآن وسنت کو چھوڑ کر کسی امام کی بات مانی جائے بلکہ قرآن وسنت پر عمل کرنے کے لیے ہی امام کی بات مانی جاتی ہے۔

تقلید درج ذیل امور میں کی جاتی ہے:

۱۔ قرآن وحدیث کو سمجھنے میں۔

۲۔ ان مسائل میں جو قرآن وسنت میں صراحت سے بیان نہیں ہیں۔

۳۔ جو مسائل قرآن وسنت میں بیان تو ہوئے ہیں لیکن ان میں بظاہر تعارض اور ٹکراؤ نظر آتا ہے۔

ان امور میں مجتہد کے ذمّے اجتہاد جبکہ مقلد کے ذمّے ان کی تقلید واجب ہوتی ہے۔

تقلید کیوں کی جاتی ہے؟

دین ودنیا کے ہر معاملے میں دیکھا جائے تو دو ہی طبقے سامنے آتے ہیں: ایک تو ماہرین کا طبقہ اور دوسرا وہ طبقہ جو خود ماہرین نہیں ہیں البتہ ماہرین کی پیروی کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو ماہر نہیں ہیں وہ ماہرین کی پیروی ہی کرتے ہیں اور یہی ان کے لیے ضروری ہے۔ ہم تقلید اس لیے کرتے ہیں کہ ہم مجتہد نہیں ہیں، ہمیں قرآن وسنت کے تمام تر علوم حاصل نہیں ہیں، اسی طرح وہ علوم جو قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے اہم ہیں ان سے بھی

ہم کما حقّہ واقف نہیں ہیں، ہم قرآن و سنت کو کما حقہ نہیں سمجھتے اور نا ہی مجتہدانہ صفات رکھتے ہیں، بلکہ ہم اگر قرآن و سنت کو براہِ راست کچھ کچھ سمجھ بھی جائیں تب بھی ہماری ناقص سمجھ اور فہم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اور پھر یہ بات تو بالکل ہی ظاہر ہے کہ ہماری حد درجہ ناقص سمجھ کے مقابلے میں امت کے ائمہ مجتہدین کی سمجھ نہایت ہی عالی اور قابلِ اعتماد ہے، اس لیے ہماری بات کے مقابلے میں ان کی بات کی اہمیت زیادہ ہے، بلکہ ہماری فہم کی کیا مجال ؟؟ امت کے جلیل القدر اہلِ علم، حضرات محدثین کرام، اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، حضرات فقہائے کرام بھی انھی چاروں میں سے کسی ایک کے پیروکار رہے ہیں، جن کا علم و فضل امت میں تسلیم شدہ تھا، جب وہ تقلید پر عمل پیرا تھے۔۔۔ حتی کہ خود حضرات صحابہ کرام میں سے بھی مجتہدین چند ہی تھے جبکہ باقی دیگر انھی کی تقلید کرتے تھے۔۔۔ تو آج کے مسلمان کے لیے ائمہ کرام کی تقلید کے سوا اور کیا چارہ ہو سکتا ہے ؟؟ اور یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر ہر ایک مسلمان کے لیے براہِ راست قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا اور خود مسائل اخذ کرنا ضروری ہوتا تو قرآن و سنت میں اہلِ علم سے پوچھنے اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید نہ کی جاتی۔

صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کی ایک عام فہم وجہ:

ویسے تو امت میں بہت سے ائمہ مجتہدین گزرے ہیں لیکن امت میں جن مجتہدین کو قبولیت حاصل ہوئی، جن کا فقہ مدوّن اور جمع ہوا اور امت میں پھیلا وہ چار ہی ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ۔ اللہ تعالی نے امت میں انھی کے مذاہب جاری فرمائے، اگر کوئی شخص انھی میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا چاہے تو اسے دین کی مکمل تعلیمات میسر آسکتی ہیں، جبکہ دیگر مجتہدین کی فقہ مکمل طور پر مدوّن نہیں ہوئی۔

کسی ایک امام کی تقلید کی عام سی وجہ:

قرآن و سنت میں جابجا شریعت کی مکمل اتباع کا حکم دیا گیا ہے جبکہ نفس اور نفسانی خواہشات کی اتباع سے سختی سے روکا گیا ہے، کیوں کہ نفس پرستی کا نام دین نہیں ہو سکتا۔ خیر القرون میں اجتہاد بھی تھا اور تقلید بھی تھی حتی کہ تقلید شخصی بھی ہوتی تھی البتہ کسی ایک مجتہد کی تقلید لازم قرار نہیں دی گئی بلکہ چوں کہ مجتہدین کی بڑی

تعداد موجود تھی اس لیے جو لوگ مجتہد نہ تھے وہ کسی بھی مجتہد سے مسائل پوچھ لیتے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ خیر القرون کا بہترین زمانہ تھا، خوفِ خدا اور تقویٰ غالب تھا اور نفس پرستی عام نہ تھی اس لیے لوگ خوفِ آخرت سے لبریز تھے اور دین پر عمل کی سچی نیت کے ساتھ کسی بھی مجتہد سے مسئلہ پوچھ لینے میں حرج نہ تھا کیوں کہ مقصود دین ہی کی اتباع تھی، دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب مدوّن نہیں ہوئے تھے اس لیے کسی ایک ہی کی تقلید مشکل تھی، پھر جب ائمہ اربعہ کا زمانہ آیا تو ان کے مذاہب مدوّن ہوئے، اب یہ سہولت ہو گئی کہ اگر کوئی غیر مجتہد شخص ان میں سے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنا چاہے تو وہ بآسانی کر سکتا ہے اور اس کو اپنے دین کے بارے میں مکمل راہنمائی میسر آسکتی ہے، اس لیے چاروں مذاہب برحق ہیں کیوں کہ یہ شرعی دلائل کی روشنی میں ائمہ مجتہدین ماہرین کے اجتہادات کا نتیجہ ہیں۔

البتہ چوں کہ ان مذاہب کے مابین بہت سے مسائل میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں اور خیر القرون کی طرح خوفِ خدا اور تقویٰ بھی باقی نہ رہا بلکہ نفس پرستی کا عام رواج ہو گیا اس لیے اگر ان میں سے کسی ایک کی تقلید لازم قرار نہ دی جائے تو معاملہ دین کی اتباع کی بجائے نفس پرستی تک جا پہنچے گا، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ نفس سہولت اور آسانیاں تلاش کرتا ہے خصوصاً اس فتنوں کے دور میں اور دین بیزاری کے ماحول میں نفس کی سرکشی عام فتنہ بن چکا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا ضروری ہے تاکہ اسی کی سختی اور نرمی دونوں پر عمل کیا جا سکے۔

کیا ائمہ مجتہدین کے پاس حلال و حرام کا اختیار ہے؟؟

یہ بات تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ چاروں مذاہب کے پیروکار اپنے ائمہ مجتہدین کو خدائی یا نبوی اختیارات ہرگز نہیں دیتے کیوں کہ یہ تو ایمان کے خلاف اور سنگین جرم ہے، یہ اتنی بدیہی بات ہے کہ اس کی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں، لیکن یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ تقلید کے منکرین ہم پر ایک بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں بلکہ پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں کہ ہم نے ائمہ کو خدائی یا نبوی اختیارات دیے ہوئے ہیں۔ یقیناً

یہ سراسر ناانصافی ہے۔ حتی کہ قرآن میں جہاں کہیں یہود و نصاریٰ کی مذمت آئی ہے کہ انھوں نے اپنے علما اور بزرگوں کو خدائی اختیارات سپرد کیے تھے تو یہ تقلید کے منکرین وہی آیات مقلدین پر چسپاں کر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کس قدر ناانصافی کی بات ہے کیوں کہ ہم بھی ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں جس گمراہی کی مذمت کی گئی ہے ہم بھی اس کی مذمت کرتے ہیں، اور یہ واضح حقیقت ہے کہ ہمارا عقیدہ یہود و نصاریٰ والا ہرگز نہیں ہے معاذاللہ، بلکہ ایک مؤمن کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حرام و حلال کا اختیار کسی امام کو دے دے؟ بلکہ اللہ ہی کے پاس اس کے اختیارات ہیں۔

جب حرام و حلال کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے تو ائمہ کے مابین حرام و حلال کا اختلاف کیوں ہے؟

یاد رکھیے کہ ائمہ کے مابین جن امور میں حلال و حرام کا اختلاف ہے تو وہ اجتہادی امور ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک تو حرام و حلال وہ ہے جو قرآن و سنت سے بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے آگاہ فرمایا، واضح طور پر ثابت ہونے والے حرام و حلال میں تو اختلاف ہی نہیں، یہ اجماعی امور کہلائے جاتے ہیں کہ ان پر سب کا اتفاق ہوا کرتا ہے، جیسا کہ ہونا بھی چاہیے، لیکن بہت سی چیزوں کے بارے میں قرآن و سنت میں اصولی باتیں تو بیان ہوئی ہیں لیکن صراحت سے ان کا ذکر نہیں، اس صورت میں اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مجتہدین کو جو اجتہاد کی اجازت ہوتی ہے تو اس اجتہاد کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین قرآن و سنت ہی کی روشنی میں کسی چیز کے جائز ناجائز اور حرام و حلال کی تعیین کرتے ہیں، جب مجتہد قرآن و سنت کی روشنی میں کسی چیز کے حرام و حلال کو بیان کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس امام کے پاس حرام و حلال کا اختیار ہے بلکہ وہ قرآن و سنت سے کسی چیز کے حرام یا حلال ہونے کا حکم ظاہر کر رہا ہوتا ہے کیوں کہ اجتہاد شریعت بنانے کا نام نہیں بلکہ قرآن و سنت میں موجود شریعت کو ظاہر کرنے کا نام ہے، اس لیے یہ بات سمجھیے کہ کسی چیز کو حرام اور حلال کرنے اور کسی چیز کے بارے حرام و حلال کا حکم واضح

کرنے میں واضح فرق ہے، حرام و حلال کا اختیار تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اللہ تعالی نے قرآن و سنت کے ذریعے صراحتًا یا اشارتًا جن چیزوں کو حلال یا حرام قرار دیا ہے ان کو بیان کرنے، ان کو واضح کرنے کا کام ائمہ مجتہدین کا ہے، اس لیے ائمہ مجتہدین کسی چیز کو حرام یا حلال بناتے نہیں بلکہ بتاتے ہیں، دونوں میں فرق واضح ہے۔ اب حرام و حلال سے متعلق ائمہ مجتہدین کے اس اجتہادی اختلاف کو مثال سے سمجھیے کہ احناف کے نزدیک سمندری جانداروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے جبکہ بعض ائمہ کے نزدیک سمندری تمام جاندار حلال ہیں، اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں مچھلی کے حلال ہونے کا تو ذکر صراحت سے آیا ہے جبکہ کیکڑے، جھینگے وغیرہ کا صراحت سے ذکر نہیں آیا ہے، اب ظاہر ہے کہ امت کی راہنمائی کے لیے مجتہد امام کے لیے کیکڑے کے حرام یا حلال ہونے کا حکم تو واضح کرنا ہی ہو گا، اس کے لیے جب وہ قرآن و سنت کے نصوص پر غور کرے گا تو اس کا حکم واضح کر دے گا، تو چوں کہ ائمہ مجتہدین کے مسائل کے استنباط کا طریقہ، اصول اور مزاج الگ الگ ہوتا ہے اس لیے مجتہدین کے مابین کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں ایسے اختلاف کا پایا جانا کچھ بعید نہیں بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے، یہ اجتہادی اختلاف عہد نبوی میں بھی ہوا، عہدِ صحابہ میں بھی اور عہدِ تابعین و تبع تابعین میں بھی، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ائمہ کے مابین اجتہادی اختلاف کے اسباب کو تفصیلی اور بہترین انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اس اجتہادی اختلاف کا درست ہونا اور اس کا امت کے لیے رحمت ہونا واضح سی بات ہے جس کے دلائل بارہا بیان ہو چکے، گویا کہ امام مجتہد قرآن و سنت سے اللہ کا منشا ہی واضح کر رہا ہوتا ہے، اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کر رہا ہوتا، نہ ہی آج تک امت نے یہ مطلب مراد لیا ہے۔

مذاہبِ اربعہ میں اختلاف کی نوعیت:

مذاہبِ اربعہ کے مابین حلال و حرام کا اختلاف بھی ہے، جائز و ناجائز کا اختلاف بھی ہے، سنت ہونے اور سنت نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، مکروہ ہونے اور مکروہ نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، فرض و واجب ہونے اور نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، جب اختلاف کی نوعیتیں مختلف ہیں تو ان کا حکم بھی مختلف ہی ہو گا۔

مذاہبِ اربعہ کے مقلّدین کا نقطہ نظر:

ان تمام اختلافات کے باوجود ان کے مابین حق و باطل کا اختلاف نہیں کہ ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مذہب کو باطل سمجھتا ہو، بلکہ ہر مذہب کا پیروکار یہ سمجھتا ہے کہ یہ چاروں مذاہب اپنے اپنے طور پر درست ہیں کیوں کہ ائمہ اربعہ نے قرآن و سنت کی روشنی ہی میں مسائل کا استنباط کیا ہے، یہ اختلاف اجتہادی ہے جو عہدِ نبوی ہی سے چلا آرہا ہے، البتہ میرے امام کا مذہب قرآن و حدیث اور شرعی دلائل کی روشنی میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی ایک بڑی وجہ ترجیح ہوتی ہے کسی امام کے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی۔

کسی دوسرے امام کی کسی بات پر عمل کرنے سے متعلق ایک اہم پہلو:

اس لیے عام حالات میں تو اپنے امام کو چھوڑ کر کسی اور امام کی کسی بات پر عمل کرنے کی متعدد خرابیاں ہیں وہاں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ بندہ جس مذہب کو زیادہ صحیح سمجھتا ہو تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی ایسے مذہب پر کیسے عمل کر سکتا ہے جو اپنے مذہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح نہ ہو؟؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے جسے اپنانے کے اس کے پاس متعدد دلائل ہوں؟؟

کیا ہم کبھی کبھار سنت کی نیت سے رفع الیدین کر سکتے ہیں؟

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چوں کہ حضور ﷺ نے نماز میں رفع الیدین بھی کیا ہے تو کیا میں سنت کی نیت سے کبھی کبھار اس پر عمل کر سکتا ہوں؟؟ تو بندہ نے ان کو تفصیل سے سمجھا کر ان کی غلط فہمی دور کی کہ:

- رفع الیدین میں ائمہ کرام کا باہمی اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ یعنی افضل ہونے اور نہ ہونے کا ہے، جہاں تک احناف کا مسلک ہے تو شرعی دلائل کی روشنی میں ان کے نزدیک رفع الیدین سنت نہیں ہے، اس لیے جو شخص امام اعظم رحمہ اللہ کا مقلد ہے وہ رفع الیدین پر سنت کی نیت سے کیسے عمل کر سکتا ہے؟؟
- ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جیسا کہ دیگر بعض ائمہ کے ہاں رفع الیدین کرنا سنت ہے اسی طرح احناف

کے ہاں رفع الیدین کا ترک سنت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رفع الیدین نہیں کرتا تو وہ بھی سنت ہی پر عمل کر رہا ہے، اس لیے جب وہ پہلے ہی سے سنت پر عمل پیرا ہے تو اس کے لیے اس سنت کو چھوڑ کر رفع الیدین پر سنت کی نیت سے عمل کیسے مناسب ہے؟؟

- اسی طرح شرعی دلائل کی روشنی میں جس عمل کے چھوڑنے کو وہ سنت سمجھ رہا ہے، اسی کو راجح سمجھتا ہے اور اپنی آخرت کے لیے اسی کو کامیابی سمجھتا ہے تو اس کو سنت کی نیت سے کیسے اختیار کر سکتا ہے؟؟ دین سے واقف شخص بخوبی آگاہ ہے کہ بعض اعمال کرنا سنت ہوتے ہیں جبکہ بعض اعمال نہ کرنا سنت ہوتا ہے!!

الحمد للہ کہ ان صاحب کو بات سمجھ آگئی کہ جب ہم پہلے ہی سے ایک سنت پر عمل پیرا ہیں تو اس کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں ایک ایسے عمل کے لیے جن کو ہم سنت نہیں سمجھتے؟؟ اس لیے تمام احباب یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ ہم نے حضور ﷺ ہی کی محبت میں رفع الیدین کو ترک کیا ہے کہ ہمارے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا سنت ہے۔ اس لیے یاد رکھیے کہ عام حالات میں ایک امام کا مقلد اپنے ہی امام کے مذہب پر عمل کرے گا کیوں کہ اس کو وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور راجح سمجھتا ہے، اسی کو اپنے لیے آخرت میں ذریعہ نجات سمجھتا ہے، اور اسی میں ہوس پرستی اور نفس پرستی سے حفاظت ہے۔

مخصوص حالات میں کسی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کا حکم:

البتہ جہاں تک مخصوص حالات میں کسی اور امام کے مذہب پر فتوی دینے کا مسئلہ ہے تو اس کی بھی اپنی شرائط ہیں جن سے اکابر فقہائے کرام بخوبی واقف ہیں، اس صورت میں ان کا دیگر امام کے مذہب پر فتوی دینا بھی شرعی دلائل ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے، وہی شرعی دلائل کا تقاضا ہوتا ہے، اس میں امت پر شفقت اور امت کے لیے سہولت مضمر ہوتی ہے، لیکن وہ مخصوص حالات ہوتے ہیں، ان پر عام حالات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی وجہ:

ہم امام اعظم کی تقلید اس لیے کرتے ہیں کہ وہ تابعی ہیں، وہ دیگر تمام مجتہدین سے علم و فضل اور اجتہادی صلاحیتوں میں افضل ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک ان کی بات زیادہ قابل اعتماد ہے، اور ہمارے برصغیر میں انھی کی فقہ روزِ اول سے رائج ہے، اس لیے ہمیں فقہ حنفی کے مسائل سے گہری مناسبت ہے اور اس کے بارے میں مکمل معلومات بھی۔

خلاصہ یہ کہ جو مسلمان مجتہد نہ ہو تو اس کے لیے کسی مجتہد کی تقلید ضروری ہے، تقلید کے بغیر وہ عموماً دین اسلام پر عمل نہیں کر سکتا۔

امامِ مجتہد کی تقلید کے جواز پر ایک آیتِ قرآنی اور اس کی تفسیر

امام مجتہد کی تقلید کے جائز ہونے پر بہت سے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں، سرِ دست ایک قرآنی آیت کی تفسیر پیش کی جاتی ہے جو کہ منصف مزاج شخص کے لیے کافی ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم سورۃ النساء آیت 59 میں فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا.

ترجمہ: **اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں ان کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔**

تفسیر:

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور أُولِي الْأَمْرِ کی اطاعت کرو۔ اس معاملے میں حقیقی اطاعت تو اللہ ہی کی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ اللہ کے رسول ہیں اس

لیے ان کی اطاعت بھی اللہ ہی کی اطاعت ہے، اور قرآن و سنت اور شرعی دلائل کی روشنی میں دین بتانے والے مجتہدین اور حاکم کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن سے اس آیت کی تفسیر نقل کی جاتی ہے جو کہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے:

جس طرح پہلی آیت کے مخاطب حُکام واُمراء تھے دوسری آیت میں عوام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اللہ کی اور رسول کی اور اپنے اُولی الامر کی اطاعت کرو۔

أُولِي الْأَمْرِ کون لوگ ہیں؟:

أُولِي الْأَمْرِ لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو، اسی لیے حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ مفسرینِ قرآن نے أُولِي الْأَمْرِ کے مصداق علماء وفقہاء کو قرار دیا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے نائب ہیں اور نظامِ دین ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایک جماعتِ مفسرین نے جن میں حضرت ابوہریرہ بھی شامل ہیں فرمایا کہ أُولِي الْأَمْرِ سے مراد وہ حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظامِ حکومت ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے، یعنی علماء کو بھی اور حکام وامراء کو بھی، کیونکہ نظامِ امر انہیں دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

اس آیت میں ظاہرًا تین کی اطاعتوں کا حکم ہے: اللہ، رسول اور أُولِي الْأَمْرِ، لیکن قرآن کی دوسری آیات نے واضح فرمادیا کہ حکم واطاعت دراصل صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ہے، إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ، مگر اس کے حکم اور اس کی اطاعت کی عملی صورت چار حصوں میں منقسم ہے۔

حکم اور اطاعت کی تین عملی صورتیں:

ایک وہ جس چیز کا حکم صراحتًا خود حق تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمادیا اور اس میں کسی تفصیل و تشریح کی حاجت نہیں، جیسے شرک وکفر کا انتہائی جرم ہونا، ایک اللہ وحدہ کی عبادت کرنا، اور آخرت اور قیامت پر یقین

رکھنا اور محمد مصطفےٰ ﷺ کو اللہ کا آخری برحق رسول ماننا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو فرض سمجھنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو براہِ راست احکامِ ربانی ہیں، ان کی تعمیل بلاواسطہ حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

دوسرا حصہ احکام کا وہ ہے جس میں تفصیلات و تشریحات کی ضرورت ہے، ان میں قرآن کریم اکثر ایک مجمل یا مبہم حکم دیتا ہے اور اس کی تشریح و تفصیل نبی کریم ﷺ کے حوالے کی جاتی ہے، پھر وہ تفصیل و تشریح جو آنحضرت ﷺ اپنی احادیث کے ذریعہ فرماتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی وحی ہوتی ہے، اگر اس تفصیل و تشریح میں اجتہادی طور پر کوئی کمی یا کوتاہی رہ جاتی ہے تو بذریعہ وحی اس کی اصلاح فرمادی جاتی ہے اور بالآخر آنحضرت ﷺ کا قول و عمل جو آخر میں ہوتا ہے وہ حکمِ الٰہی کا ترجمان ہوتا ہے۔

اس قسم کے احکام کی اطاعت بھی اگرچہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے لیکن ظاہری اعتبار سے چونکہ یہ احکام صریح طور پر قرآن نہیں، آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے امت کو پہنچتے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت ظاہری اعتبار سے اطاعتِ رسول ہی کہلاتی ہے جو حقیقت میں اطاعتِ الٰہی کے ساتھ متحد ہونے کے باوجود ظاہری اعتبار سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، اسی لیے پورے قرآن میں اللہ کی اطاعت کا حکم دینے کے ساتھ اطاعتِ رسول کا حکم مستقلاً مذکور ہے۔

تیسرا درجہ احکام کا وہ ہے جو نہ قرآن میں صراحتًا مذکور ہیں، نہ حدیث میں یا ذخیرہ احادیث میں، اس کے متعلق متضاد روایات ملتی ہیں، ایسے احکام میں علماء مجتہدین قرآن و سنت کے منصوصات اور زیرِ غور مسئلہ کے نظائر میں غور و فکر کرکے ان کا حکم تلاش کرتے ہیں، ان احکام کی اطاعت بھی اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے قرآن و سنت سے مستفاد ہونے کی وجہ سے اطاعتِ خداوندی ہی کی ایک فرد ہیں، مگر ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ فقہی فتاویٰ کہلاتے ہیں اور علماء کی طرف منسوب ہیں۔

اسی تیسری قسم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں کتاب و سنت کی رو سے کوئی پابندی عائد نہیں، بلکہ ان میں عمل کرنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں، جن کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتا ہے، ایسے احکام میں عملی انتظام حکام و اُمراء کے سپرد ہے کہ وہ حالات اور مصالح کے پیش نظر کوئی قانون بنا کر سب کو اس پر

چلائیں، مثلاً شہر کراچی میں ڈاک خانے پچاس ہوں یا سو، پولیس اسٹیشن کتنے ہوں، ریلوے کا نظام کس طرح ہو، آباد کاری کا انتظام کن قواعد پر کیا جائے؛ یہ سب مباحات ہیں، ان کی کوئی جانب نہ واجب ہے، نہ حرام بلکہ اختیاری ہے، لیکن یہ اختیار عوام کو دے دیا جائے تو کوئی نظام نہیں چل سکتا، اس لیے نظام کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔

آیت مذکورہ میں اُولوالاَمر کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے، اس لیے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام واُمراء کی اطاعت واجب ہو گئی۔

یہ اطاعت بھی در حقیقت اللہ جل شانہ کے احکام ہی کی اطاعت ہے، لیکن ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ احکام نہ قرآن میں ہیں نہ سنت میں، بلکہ ان کا بیان یا علماء کی طرف سے ہو یا حکام کی طرف سے، اس لیے اس اطاعت کو تیسرا نمبر جداگانہ قرار دے کر اولی الامر کی اطاعت نام رکھا گیا، اور جس طرح منصوصاتِ قرآن میں قرآن کا اتباع اور منصوصاتِ رسول میں رسول کا اتباع لازم واجب ہے، اسی طرح غیر منصوص فقہی چیزوں میں فقہا کا اور انتظامی امور میں حکام واُمراء کا اتباع واجب ہے، یہی مفہوم ہے اطاعتِ اولی الامر کا۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد أُولِي الْأَمْرِ سے متعلق حضرات صحابہ کرام اور تابعین کرام کی تفسیر بھی ذکر کی جاتی ہے تاکہ اطمینان اور تسلی کا باعث ہو:

آیت میں أُولِي الْأَمْرِ سے کون مراد ہیں؟

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد فقہاء اور اہلِ خیر ہے:

33200- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: «وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» قَالَ: أُولُو الْفِقْهِ، أُولُو الْخَيْرِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

422 - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: «أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» قَالَ: «أُولِي

الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ».

«هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ لَهُ شَاهِدٌ، وَتَفْسِيرُ الصَّحَابِيِّ عِنْدَهُمَا مُسْنَدٌ»۔

التعليق من تلخيص الذهبي: هذا صحيح وله شاهد۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں جلیل القدر تابعی امام مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرات صحابہ اور دین کی سمجھ رکھنے والے فقہاء ہے:

33201- حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ : «أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ» قَالَ: كَانَ مُجَاهِدٌ يَقُولُ: أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَرُبَّمَا قَالَ: أُولُو الْعَقْلِ وَالْفِقْهِ فِي دِينِ اللهِ.

امام مجاہد رحمہ اللہ کی یہ روایت تفسیر ابن ابی حاتم میں بھی موجود ہے:

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مُوسَى قَالَ: ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَعِيدٍ: ثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: «وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» قَالَ: أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَرُبَّمَا قَالَ: أُولُو الْعَقْلِ وَالْفَضْلِ فِي دَيْنِ اللهِ تَعَالَى.

مصنف ابن ابی شیبہ میں جلیل القدر تابعی امام ابو العالیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرات علماء ہے:

33202- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، قَالَ: الْعُلَمَاءُ.

مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد فقہاء اور اہلِ دین ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں:

423- عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: «أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» يَعْنِي: «أَهْلَ الْفِقْهِ وَالدِّيْنِ، وَأَهْلِ طَاعَةِ اللهِ الَّذِينَ يُعَلِّمُونَ النَّاسَ مَعَالِيَ

دِينِهِمْ وَيَأْمُرُونَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَوْنَهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، فَأَوْجَبَ اللهُ طَاعَتَهُمْ».

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مایہ ناز تفسیر تفسیر ابن ابی حاتم میں بھی ہے:

5572- عن علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس قوله: «وأولي الأمر منكم» يعني: أهل الفقه والدين، وأهل طاعة الله الذين يعلمون الناس معاني دينهم ويأمرنهم بالمعروف وينهوهم عن المنكر ، فأوجب الله سبحانه طاعتهم على العباد۔

"سنن دارمی" میں جلیل القدر تابعی امام عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرات علماء اور فقہاء ہے:

225- أَخْبَرَنَا يَعْلَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ «أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» قَالَ: أُولُو الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ. وَطَاعَةُ الرَّسُولِ: اتِّبَاعُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.

تفسیر ابن ابی حاتم میں امام مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرات علماء اور فقہاء ہیں، اور یہی قول امام حسن بصری، امام عطا اور امام ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعین سے بھی مروی ہے، اور امام ابو العالیہ اور امام بکر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علما ہیں:

5573- عن ليث، عن مجاهد قوله: «وأولي الأمر منكم» قال: أولو العلم والفقه، وروي عن الحسن والحسن بن محمد بن علي وعطاء وإبراهيم نحو ذلك. وروي عن أبي العالية وبكر بن عبد الله المزني أنهما قالا: العلماء۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کی یہ روایت حلیۃ الاولیاء میں بھی موجود ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْآجُرِّيُّ: ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَهْلٍ الْأُشْنَانِيُّ: ثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْأَسْوَدِ: ثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: ثَنَا شَرِيكٌ عَنْ لَيْثٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ: ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُوسَى الْعَدَوِيُّ: ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَعِيدٍ: ثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: «وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ» قَالَ: الْفُقَهَاءُ وَالْعُلَمَاءُ.

تفسیر ابن ابی حاتم میں امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرات علماء اور فقہاء

اور مجتہدین ہیں:

5574- حدثنا محمد بن الحجاج الحضرمي بحضرموت: ثنا الخصيب بن ناصح: ثنا المبارك بن فضالة عن الحسن في قول الله تعالى: »وأولي الأمر منكم« قال: أولي العلم والفقه والعقل والرأي.

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابن عباس، امام مجاہد، امام عطا اور امام حسن بصری کے نزدیک اس سے مراد فقہاء اور اہلِ دین ہیں:

وقال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس: «وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ» يعني: أهل الفقه والدين. وكذا قال مجاهد، وعطاء، والحسن البصري، وأبو العالية: «وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ» يعني: العلماء. والظاهر - والله أعلم- أن الآية في جميع أولي الأمر من الأمراء والعلماء، كما تقدم. وقد قال تعالى: «لَوْلا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ» [المائدة:٦٣] وقال تعالى: «فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لا تَعْلَمُونَ». [النحل:٤٣]

یقیناً یہ تمام تر تفصیل ایک منصف مزاج شخص کے لیے باعثِ اطمینان ہے اور اس سے اس غلط فہمی کا بخوبی ازالہ ہو جاتا ہے کہ "دین میں قرآن و سنت کے علاوہ کسی امام مجتہد کی بات ماننے کا ذکر ہی نہیں بلکہ ان کی بات ماننا قرآن و سنت کی خلاف ورزی ہے۔" بلکہ امت کے معتبر امام مجتہد کی تقلید اور پیروی قرآن و سنت کے مطابق اور ایک مسلمان کی ضرورت ہے الحمدللہ۔

دینی تعلیمات کا خلاصہ

مع عقائد، فقہ اور تصوف سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ ومشائخ کا تذکرہ

دین دو چیزوں کا نام ہے:

1۔ عقائد، 2۔ اعمال۔

عقائد:

عقائد جمع ہے عقیدہ کی۔ عقائد ان اہم باتوں کا نام ہے جو دین و مذہب کے نام پر پختگی کے ساتھ دل میں جمَا لی جائیں۔ یاد رہے کہ عقائد در حقیقت دین کی بنیاد ہوا کرتے ہیں، انہی پر ایمان و کفر اور حق و باطل کا دار و مدار ہوا کرتا ہے۔

عقائد کی اقسام:

بنیادی طور پر عقائد کی دو اقسام ہیں:

- ایک وہ عقائد ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار ہے کہ ان کو ماننا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے، ان میں سے کسی بھی عقیدے کا انکار کفر ہوا کرتا ہے، جیسے توحید، ختمِ نبوت، آخرت، نماز، روزہ جیسے ضروریاتِ دین کو تسلیم کرنے کا عقیدہ۔
- عقائد کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن پر اہل السنۃ والجماعۃ کا دار و مدار ہے کہ حق جماعت اہل السنۃ والجماعۃ میں شمولیت کے لیے ان عقائد کو ماننا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک عقیدے کا انکار بندے کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج کر دیتا ہے، جیسا کہ شروع میں تفصیل بیان ہو چکی۔

اعمال کی دو قسمیں ہیں:

○ ظاہری اعمال، جن کا تعلق ظاہری اعضا کے ساتھ ہے جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تلاوت، وضو، غسل، تجارت، نکاح وغیرہ۔

○ باطنی اعمال، جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے، جیسے اخلاص، تواضع، خوفِ خدا، ریاکاری، تکبر، عُجب وغیرہ۔

ظاہری اعمال سے متعلق احکام کا نام ''فقہ'' ہے، جس میں مسائل سے گفتگو کی جاتی ہے، اور باطنی اعمال سے متعلق

احکام کا نام ''تصوف'' ہے۔ تصوف در حقیقت باطن کو بُرے اخلاق سے پاک کرنے اور پاکیزہ اخلاق سے منوّر کرنے کا نام ہے، یہی تصوف کے سلسلوں کا مقصد ہے۔ اور اس کام کے لیے مفید تر راستہ یہ ہے کہ کسی مستند شیخ و مرشد سے تعلق قائم کر لیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ دین تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

1: عقائد۔

2: فقہ۔

3: تصوف۔

عقائد میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مشہور ائمہ:

عقائد میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مشہور ائمہ دو ہیں:

1۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ۔

2۔ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ۔

یہ دونوں ائمہ کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ امام ہیں، اور ہم بنیادی طور پر عقائد میں ان دونوں حضرات ہی کے پیروکار ہیں۔ دونوں ائمہ کا عقائد میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں، ان دونوں حضرات نے قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح عقائد و نظریات واضح طور پر بیان فرمائے، اور گمراہ فرقوں سے امت کو بچانے اور صحیح عقائد کی اشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں، اس لیے امت میں انہیں عقائد کے معاملے میں امامت کا درجہ حاصل ہوا۔ انہی حضرات کی پیروی میں ہم ماتریدی اور اشعری کہلائے جاتے ہیں۔

فقہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ کرام:

فقہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے چار ائمہ ہیں جن کے مذاہب دنیا میں رائج ہوئے:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ۔ 2: امام مالک بن انس رحمہ اللہ۔

3: امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ۔ 4: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔

یہ چاروں امام برحق ہیں، البتہ ان میں سے کسی ایک امام ہی کی تقلید ضروری ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح رہے کہ

یہ مذاہبِ اربعہ کا یہ اختلاف فرقہ واریت نہیں کیوں کہ فرقے عقائد کے اختلاف سے بنتے ہیں جبکہ مذاہبِ اربعہ کے مابین عقائد کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ فروعی اجتہادی اختلاف ہے جو کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ سے چلا آرہا ہے، یہ مذموم نہیں بلکہ یہ حق ہے اور امت کے لیے بڑی رحمت بھی!

تصوف میں اہل السنۃ والجماعۃ کے سلسلے:

تصوف میں اہل السنۃ والجماعۃ کے متعدد سلسلے ہیں البتہ ان میں سے چار سلسلے مقبول اور مشہور ہیں:

1: چشتیہ، جو کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔
2: قادریہ، جو کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔
3: نقشبندیہ، جو کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔
4: سہروردیہ، جو کہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

یہ چاروں سلسلے برحق ہیں، بعض مشائخ ان میں سے کسی ایک میں بیعت کرتے ہیں جبکہ بعض مشائخ ان چاروں میں بیک وقت بیعت کرتے ہیں، دونوں طریقے رائج اور درست ہیں۔ یہاں ان مشائخ اور سلسلوں کی بات ہو رہی ہے جو حق ہیں اور عقائد، اعمال اور تصوف میں اہل السنۃ والجماعۃ کے سچے پیروکار ہیں، جہاں تک ان نام نہاد پیران ومشائخ کا تعلق ہے جو عقائد، اعمال اور تصوف میں اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہیں تو ان کا غلطی بلکہ گمراہی پر ہونا واضح سی بات ہے۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
17 شوال المکرم 1440ھ
03362579499